ڈاکٹر بشریٰ پروین
استاد شعبہ اردو ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

بیسویں صدی کا نصف اول اور ادبی جہتیں

(مقبول عام ادب کے حوالے سے)

Dr. Bushra Parveen
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML Islamabad

FIRST HALF OF 20TH CENTURY AND ITS LITERARY DIMENSIONS

(REGARDING TO POPULAR FICTION)

At the beginning of the 20th century Urdu Literature got many dimensions. Western Literature also influencing. Urdu Literature with this background the tradition of popular fiction exists in almost all literatures of the world. This popularity in Urdu Literature dates back the beginning of 20th century when it had a fairly large headership. Novel, short stories, stage drama T.V Drama and Magzines are major sources for popular fiction simple selection of words and common issues are big ingredients of this kind of literature which attract a large number of reader's.

Key words: *Literature, Dimensions, Influencing, Tradition, Fiction, Short Stories, Drama, Magzines.*

بیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر کا ثقافتی ماحول نئے تصورات کو قبول کرنے کے لیے ساز گار تھا۔ اُردو ادب میں نئے نئے رجحانات پنپ رہے تھے نظم و نثر کی نئی صورتیں منظرِ عام پر آرہی تھیں۔ نثر میں اُنیسویں صدی کا نصف اول تو مضمون نگاری کے پھیلاؤ سے عبارت ہے کیونکہ اس وقت اہم جذبہ قومی اصلاح کا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ناول اور افسانے کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ اب اصلاح کے پہلو بہ پہلو معاشرے کی عکاسی اور بات کو جمالیات کے اعلیٰ معیارات پر زور دینے کا آغاز ہوا اگر ہم افسانوی نثر کے یعنی ناول اور افسانے کی بات کریں تو یہ دونوں اصناف سنجیدہ ادب کے ساتھ ساتھ مقبولِ عام ادب کی اہم اور سرِ فہرست اصناف ہیں۔

مقبولِ عام ثقافت کے پہلو بہ پہلو عام ادب کے لیے بھی راہ ہموار ہو رہی تھی۔ اب عام آدمی کی زندگی ادب کا موضوع بن رہی تھی۔ عام آدمی کی زندگی کا بیان، اگر عام قاری کے لیے کیا جاتا تھا تو پھر اسے سادہ اور عام فہم زبان میں لکھنا ضروری تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اردو ادب اپنے جلو میں کئی مقبول عام اصناف لیے ظاہر ہوا۔ اس حوالے سے علی

گڑھ تحریک کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہو گی۔ اردو ادب سے وابستہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اس تحریک کے زیرِ اثر سادہ اور آسان لکھنے کا رواج ہوا۔ اردو میں سوانح نگاری، تاریخ، تنقید، مضمون نگاری اور سیرت نگاری جیسی اصناف کو جگہ ملی۔ لکھنے والوں نے عوامی ادب کے بند دروازوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ سر سید نے نہ صرف خود بلکہ اُن رفقاء، حالی، محمد حسین آزاد، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا ذکاء اللہ اور دیگر نے نہ صرف اپنے قلم کے جوہر دکھائے بلکہ اپنی تحریروں کے ذریعے مختلف ادبی اصناف پر لکھ کر عوام میں اُردو کی ادبی تحریروں کے ذریعے مختلف ادبی اصناف پر لکھ کر عوام میں ارد کی ادبی تحریروں اور مختلف اصناف میں دلچسپی بھی پیدا کی۔ اس دور میں نت نئی اصناف اردو ادب میں عوامی مقبولیت حاصل کیے ہوئے تھیں۔ ذیل میں کچھ اہم اصناف اور ذرائع کا ذکر کیا جارہا ہے جن کو مقبولِ عام ادب کے حوالے سے اہمیت حاصل ہے۔

بیسویں صدی میں ناول کی صنف نے بے پناہ ترقی کی۔ نذیر احمد کے پہلو بہ پہلو عبد الحلیم شرر اور رتن ناتھ سرشار نے بھی اردو ناول کی ترقی میں اپنا شعر ڈالا۔ پھر اس صنف کو ترقی کی منازل طے کروانے میں پریم چند کی حقیقت پسندی اصلا حی طرزِ تحریر نے بھرپور کام کیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد بر صغیر کے حالات میں جو تبدیلی آرہی تھی اس کے بارے میں ڈاکٹر طیبہ خا تون نے کچھ یوں اشارہ کیا:

> "۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اسی کے زیرِ اثر ذہنی اور ادبی فضا ساز گار ہوتی ہے۔ پرانے نظریات نئے تقاضوں کے سامنے سرنگوں ہو جا تے ہیں اور نئی سماجی قوتیں فکر و نظر کے نئے سانچے تیار کرتی ہیں۔ نئے دور کے تقاضوں کے شعور اور حقیقت پسندی کو ناگزیر سمجھا جانے لگتا ہے اور افسانوی ادب میں تصوراتی اور طلسماتی فضا کے بجائے پر خلوص طریقے پر اخلاق کو سُدھارنے کی طرف توجہ ہونے لگتی ہے۔"(۱)

اردو کی ادب کی فضا میں ڈاکٹر طیبہ خاتون کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق داستان اپنی نئی ہیئت یعنی ناول کی شکل میں سامنے آرہا تھا۔ زندگی کے اندر موجود امکانات نئے رخ سے جلوہ گر ہو رہے تھے۔ ناول کے اندازِ تحریر نے نہ صرف قا ری کو لطف و تسکین فراہم کی بلکہ زندگی کے اندر حقائق کی فنکارانہ ترجمانی بھی کی یہ کہنا دُرست ہو گا کہ بدلتے ہوئے ادبی اور سماجی منظر نامے میں نئی زندگی ایک نئے طرزِ تحریر کی بھی متلاشی تھی۔ نئی اصناف کو قومی سطح پر قبولیت حاصل ہوئی۔ یہی اصناف ادب کے دائرہ کار میں وسعت کا باعث بھی بنیں۔ ادب اب عوام کی بات بھی کرنے لگا تھا اور اہل قلم حضرات ہر طبقے کے قاری کے مطابق لکھنے لگے۔ اعلیٰ ادب عوام کی دسترس میں آیا تو مقبولِ عام کی سند حاصل کرنے لگا۔

مقبولِ عام ادب میں ہمیشہ اس بات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے کہ قارئین کس قسم کی چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں اور کس قسم کا ادب پڑھنا چاہتے ہیں۔ مقبولِ عام ثقافت اپنے ساتھ مقبولِ عام ادب کے لیے بھی جگہ بنا رہی تھی۔ یوں وقت گز رنے کے ساتھ ساتھ دیکھا گیا کہ اُردو ناول ہزاروں کی تعداد میں چھپتے اور فروخت ہوتے تھے۔ اس حوالے سے مقبولِ عام ادب میں ایک آواز عبد الحلیم شرر کی ہے۔ شرر کی ناول نگاری کا آغاز تو اُنیسویں صدی کے آخر میں ہو گیا تھا۔ لیکن ان کو زیا

دہ شہرت بیسویں صدی میں ملی۔ شرر بنیادی طور پر سر سید کے افکار سے متاثر تھے۔ شاید شرر یہ سمجھتے تھے کہ مقصدی ادب تحریر کرنے کے لیے ناول کی صنف انتہائی موزوں ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مسلمانوں میں صحیح تاریخی شعور بیدار کرنے کے لیے تاریخ کو اپنا موضوع بنایا اور تاریخی ناولوں کے ذریعے مسلمانوں میں اپنے ماضی کی عظمتِ رفتہ کا احساس بیدار کرنے کی کوشش کی شرر کے سامنے ایک واضح مقصد تھا انھیں فنِ ناول نگاری پر بھی عبور حاصل تھا۔ اس حوالے سے اُردو کے ممتاز ترین ناقدین نے اُنھیں داد دی۔ احسن فاروقی شرر کی ناول نگاری کے حوالے سے کہتے ہیں۔

> "شرر پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے سلیقے کے ساتھ ناول نگاری کی۔ انھوں نے اس کی صحیح ہیئت کو مرتب کیا۔ فنی تصور کو واضح کیا اور صنف کے طور پر ناول کا کیا مقام ہے اس سے روشناس کر دیا۔"(۲)

شرر کا پہلا ناول "ملک العزیز ورجینا" ۱۸۸۸ء میں منظرِ عام پر آیا جب کی ان کا آخری ناول "مینا بازار" ۱۹۳۵ء میں چھپا۔ شرر نے بہت سے ناول لکھے جن میں "ملک العزیز ورجینا"، "ایام عرب"، "فتح اندلس" اور فردوس بریں کا شمار اُن کے اہم ناولوں میں ہوتا ہے۔ یہ ناول ادبی مقام میں مقبول عام ادب کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ وہ ناول ہیں جنھوں نے اُردو کے اہم ناقدین سے بھی داد وصول کی۔ یوں شرر کی ناول نگاری سے متاثر ہو کر کئی ناول نگار تاریخی ناول لکھنے کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان میں محمد علی طیب اور مرزا ظفر علی بیگ کے نام اہم ہیں۔

اس کے بعد طنز و مزاح ایک ایسی صنف ہے جو اُردو کی ادبی اصناف میں ہمیشہ سے خصوصی اہمیت کی حامل رہی ہے ۔ طنز و مزاح میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ ان کا اظہار کسی بھی صنف میں ہو سکتا ہے۔ اُردو نثر ابتداء ہی سے طنز و مزاح سے بھر پور رہی ہے۔ غالب کے خطوط اس کی ایک بہترین مثال ہیں۔ اُردو طنز و مزاح کے حوالے سے "اودھ پنچ" کو خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ اس کے مدیر منشی سجاد حسین تھے منشی سجاد حسین نے ناول بھی لکھے۔ "حاجی بغلول" اور "احمق الدین" مزاح کے حوالے سے خاصے مشہور ہوئے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی لکھتے ہیں:

> "ان میں صرف "حاجی بغلول" مکمل طور پر مزاحیہ ناول ہے اور اس اعتبار سے سجاد حسین کو مزاحیہ ناولوں کا موجد قرار دیا جا سکتا ہے۔ جن کی اقتدا کر کے عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی وغیرہ نے ادب میں اپنا اہم مقام حاصل کیا۔"(۳)

پھر اس کے بعد اصلاحی اور مقصدی نوعیت کے ادب کو بھی خاصی قبولیت حاصل رہی۔ اس حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول خاصے مقبول رہے۔ اگر مقصدی ادب کی بات کی جائے تو اس ضمن میں راشد الخیری (۱۸۶۸ء۔۱۸۳۶ء) کو زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ راشد الخیری نے بطورِ خاص عورتوں کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا۔ ان کے ناولوں کی فہرست تو خاصی طویل ہے لیکن ان میں سے "سیدہ کا لعل"، "بنت الوقت"، "حیات صالحہ"، "جوہر عصمت"، "نوحہ زندگی" وغیر اہمیت کے حامل ہیں۔ راشد الخیری کی ناول نگاری کے حوالے سے یوسف سر مست نے لکھا ہے۔

"مجموعی اعتبار سے راشد الخیری نے ناول کے فن کو ترقی دینے میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا لیکن زبان و بیاں کے لحاظ سے ان کے ناول ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"(۴)

ان باتوں سے قطع نظر راشد الخیری نے چوں کہ عورتوں کے مسائل کو بطورِ خاص اپنا موضوع بنایا تھا۔ اس لیے ان کے زیرِ اثر بہت سے لکھنے والے اس موضوع میں دلچسپی لینے لگے۔ خاص طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں خاتون مصنفین کی ایک پوری نسل سامنے آئی۔ جس نے مسلم معاشرے میں عورت کے مقام و مرتبے کے بارے میں نہایت جاندار تحریریں لکھیں اگرچہ ہمارے ناقدیں ان خواتین مصنفین کو نظر انداز کیا۔

اس عہد میں چونکہ ہمارے ہاں ایک نیا ادبی منظر تشکیل پا رہا تھا۔ خواتین کے بہت سے رسالے جاری ہوئے جن کی بدولت پڑھنے کا رجحان آگے بڑھا۔ یہ روایت آج بھی زندہ ہے اور پاکستان میں بہت سے ڈائجسٹ صرف خواتین کے لیے شائع ہوتے ہیں۔ خواتین لکھنے والوں میں اکبری بیگم، نذر سجاد حیدر، طیبہ بیگم بلگرامی، بیگم شیخ محمد اکرم وہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

اصلاحی ناولوں کے بعد رومانوی ناولوں کا ذکر مقبولِ عام ادب کے لیے ناگزیر ہے۔ کیونکہ رومانویت مقبول عام ادب کے لیے معروف موضوع سمجھی جاتی ہے۔ رومانوی تحریروں میں عام طور پر کرداروں کی جذباتی زندگی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ان تحریروں کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان میں مئوثر جذبات نگاری کے علاوہ ماحول کی عکاسی اور حسن و عشق کے واقعات کا بیان بھی ملتا ہے۔ رومانوی ناول نگاری میں پہلا اہم ترین نام نیاز فتح پوری کا ہے۔ ان کا پہلا ناول "ایک شاعر کا انجام ہے" یہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں زبان کے علاوہ کرداروں کی جذبات نگاری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

نیاز فتح پوری سے بھی زیادہ جس ناول نگار نے شہرت پائی وہ قاضی عبدالغفار ہیں جن کے ناول "لیلیٰ کے خطوط" نے لافانی شہرت حاصل کی۔ اسی سلسلے کا ان کا دوسرا ناول "مجنوں کی ڈائری تھا"۔ یہ ۱۹۳۴ء میں تحریر کیا۔ قاضی عبدالغفار چونکہ رومانوی اور جمالیاتی نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے اس لیے ان کی تحریروں پر جذبات حاوی نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں شہاب ظفر اعظمی کہتے ہیں:

"جہاں تک زورِ قلم، زورِ بیان کا تعلق ہے دونوں کا طرز اور اُسلوب یکساں ہے۔ موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے اور اس اعتبار سے بڑی اور چھوٹائی کی بات کی جاسکتی ہے مگر اُسلوب بیان اور موضوع کی پیش کش کے نقطہ نظر سے دونوں میں فرق کرنا مناسب نہ ہو گا۔"(۵)

مقبولِ عام ادب کی یہ روایت چلتی رہی اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کی ابتداء کا اردو ادیب نہ صرف عام آدمی کے مسائل میں دلچسپی لے رہا تھا بلکہ وہ عام آدمی کے لیے ادب بھی تخلیق کر رہا تھا۔ اس سے ادب اعلیٰ اور مقبولِ عام ادب کی درمیانی سرحدیں دھندلانے لگیں۔ اس کی ایک اہم وجہ رومانوی ادب تھا۔ جس نے

اردو ادب کے عام قاری کو اپنی جانب متوجہ کیا اور اس کے بعد ترقی پسند ادبی تحریک نے پوری شدت سے عام آدمی کے مسائل کو کہانی بنا کر پیش کیا۔ یہ وہ مقام تھا جب مقبولِ عام ادب کو کئی راہیں ملیں۔ ایسی وہ راہیں تھیں جنہوں نے مقبولِ عام ادب اپنی جگہ بنانے میں مدد بھی کی۔

مقبولِ عام ادب کی روایت میں داستان گوئی، ڈراما یا ناٹک (جو آگے چل کر بڑی بڑی تھیٹر کمپنیوں تک پہنچی)۔ پھر مختصر کہانی یا افسانہ اور ناول۔ مقبولِ عام ادب کی اصناف میں تاریخی، جاسوسی، جنس، مزاح، گھریلو مسائل وغیرہ قارئین کے لیے ہمیشہ پُر کشش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ افسانہ مقبولِ عام ادب کی روایت کا ایک اہم ترین ذریعہ رہے ہیں۔ افسانہ نگار زندگی کے پنہاں پہلوؤں کو اختصار سے سامنے لانے کا کام کرتا ہے۔ کہانی کے ساتھ کرداروں کا انتخاب جزیات نگاری اور ان کے متعلق مشاہدہ اور تجربہ افسانہ نگار کی بہت بڑی خوبی ہے۔

اردو افسانہ بلا مبالغہ اپنے آغاز ہی سے مقبول صنف کے طور پر دیکھا جاتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا قاری بھی اس مختصر کہانی کو پڑھنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اردو افسانے میں رومانویت کا رجحان نہایت قوی رہا ہے۔ رومان، عشق و محبت کے قصے، تخیل کی بلند پروازی اور مافوق الفطرت ماحول نے ہمیشہ اردو افسانہ نگار کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ رومانویت کے حوالے سے ایک فضا ہمیں جن افسانہ نگاروں کے ہاں ملتی ہے ان میں فراق دہلوی، عشرت لکھنوی، خواجہ حسن نظامی، چوہدری افضل حق اور چراغ حسن حسرت وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے لطیف پیرائے میں تاریخ اور معاشرتی زندگی کے بعض پہلوؤں کو افسانوی انداز میں پیش کیا ہے۔ راشد الخیری کا نام اس حوالے سے ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ راشد الخیری نے اردو افسانے میں اصلاحی رُجحان متعارف کروانے کے ساتھ ساتھ اسلامی اسلامی تاریخ اور اسلامی روایات کو بھی اپنے افسانوں میں استعمال کر کے اُردو افسانے کے دو اہم رجحانات کی تشکیل میں حصہ لیا۔ دوسری طرف راشد الخیری نے اپنے افسانے "عصمت" کے ذریعے اُردو ادب کو خاص طور پر خواتین کے ادب کو خاص طور پر خواتین کے ادب کو گھر گھر پہنچایا۔ مقبول عام کے آغاز میں خواتین پر لکھا جانے والا یہ ادب اہمیت کا حامل ہے۔ راشد الخیری کے بعد دوسرے اہم افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم ہیں۔ ان کے رومانوی افسانے پہلو بہ پہلو سفر کر رہے تھے۔ بقول پطرس بخاری:

> "سجاد حیدر اس نسل کے ایک فرد تھے جو حیات مسلمہ کے ایک امتزاج کی جستجو میں تھے
> اس امتزاج کے عناصر ترکیبی جدید بھی تھے اور قدیم بھی، مغربی بھی اور ترکی بھی،
> مذہبی بھی اور سائنسی بھی، عربی بھی اور انگریزی بھی۔۔۔۔۔۔۔۔"(۶)

یلدرم کو بیک وقت انگریزی اور ترکی ادب پر خاصی دسترس حاصل تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ "خیالستان" کی کہانیاں ایک اچھوتے اور نئے پیرہن میں لپٹی نظر آتی ہیں۔ سجاد حیدر کی یہ کہانیاں ایک طرح سے مقبول عام ادب کے ایک اور اہم عنصر کی نشاندہی کرتی ہیں۔ لطیف الدین احمد، سلطان سید، جوش اور محمد علی ردولوی کا شمار ہوتا ہے۔ درج بالا جن افسانہ نگاروں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ان کی کہانیوں میں واضح طور پر وہ عناصر ہیں جو مقبولِ عام ادب کا خاصہ گنے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں اُردو میں مقبول عام ادب کی روایت مستحکم ہوتی جارہی تھی۔ ان تمام افسانہ نگاروں کے ہاں حال کا لمحہ، عذابِ ماضی اور مستقبل کی خوبصورتی اور رعنائی بھی نظر آتی ہے۔ یہی وہ رجحان ہے جس نے عوم کو اپنی جانب متو جہ کیا اور عام لوگوں نے اس رومانوی رجحان کو قبولیت کا اعزاز بخشا۔

افسانہ یا مختصر کہانی کا سب سے دوسرا ذریعہ ڈائجسٹ ثابت ہوئے۔ ڈائجسٹ کے لغوی معنی ایک مختصر نوٹ یا مختصر بیان یا خلاصہ ہیں۔ عام زبان میں ان سے مراد ہفتے بھر کی خبروں کا خلاصہ یا کسی کتاب کے بارے میں اہم نکات کا بیان ہے۔ میگزین کو پیروڈیکل بھی کہا جاتا ہے اس میں مضامین کہانیاں اور نظمیں یک جا ہوتی ہیں اور اسے تواتر کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے چونکہ یہ صنف بھی یورپ سے ہمارے ہاں پہنچی۔ جیسے جیسے یورپ میں سائنسی اور علمی ترقی ہوتی گئی، صنعتی معاشرہ وجود میں آتا گیا ویسے ویسے قارئین کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آتا گیا جو عام فہم انداز میں اپنی دلچسپی کا مواد پڑھنا چاہتا تھا۔ خاص طور پر درمیانے اور نچلے طبقے میں جب قدرے معاشی فراغت آئی تو اس نے اپنی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذہنی اور نفسیاتی ضروریات کی تکمیل کے لیے نئے مطالبات سامنے رکھے ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے جہاں اور کئی اقدامات سامنے آئے ان میں میگزین اور ڈائجسٹ کی اشاعت بھی تھی۔ بیسویں صدی میں جس ڈائجسٹ نے ساری دنیا کے قارئین کو متاثر کی وہ بلاشبہ امریکا کا ریڈر ڈائجسٹ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا بلکہ اس کی تقلید میں پوری دنیا میں ڈائجسٹ شائع ہونے لگے۔ اگر اردو زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو سر سید نے "سپیکٹیٹر" اور "ٹیٹلر" سے متاثر ہو کر ایک رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے نام سے نکالا جس میں تحقیقی، علمی اور سائنسی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اصلاح کے ساتھ ساتھ انہوں نے تعلیم اور عام آدمی کی دلچسپی کو بھی مدِ نظر رکھا۔ تہذیب الاخلاق کی یہی روایت آگے بڑھی۔ سید امتیاز علی تاج کا ایک رسالہ "کہکشاں" کے نام سے ۱۹۱۸ء میں جاری ہوا۔ یہ خالصتاً ادبی رسالہ تھا۔ ۱۹۲۲ء میں اختر شیرانی اور خلیل احمد نے لاہور سے "رومان" جاری کیا۔ پھر ۱۹۲۶ء میں اختر شیرانی نے ایک اور ادبی رسالہ "انتخاب" کے نام ست جاری کیا۔ اس میں ہلکا پھلکا ادبی مواد شامل تھا۔ یہ اس دور کا مقبول ترین رسالہ تھا۔

قیام پاکستان کے بعد اس میدان میں اُترنے والا پہلا ڈائجسٹ "اردو ڈائجسٹ" ہے جس کا آغاز الطاف حسین قریشی اور اُن کے بھائی ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی نے ۱۹۶۰ء میں کیا۔ اس کے بعد ڈائجسٹوں کی اشاعت کا ایک سلسلہ چل نکلا اور کراچی سے کئی ایک ماہانہ ڈائجسٹ شائع ہونے لگے۔ ان ڈائجسٹوں کی زبان سادہ اور تحریریں ہلکی پھلکی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے اب تک ان ڈائجسٹوں کی اشاعت قارئین کی دلچسپی کی وجہ سے قائم ہے۔ ان رسالوں میں مذہب، مذہبی شخصیات، اقوال، سفر نامے، کہانیاں، ترجمہ شدہ کہانیاں، طنز و مزاح، سائنسی مضامین، تاریخ صحت وغیرہ پر مبنی مواد موجود ہوتا ہے۔ یہ ایک ملے جلے مواد پر مشتمل ہوتا ہے جو ہر عمر کے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکتا ہے۔ ہمیشہ سے ان رسائل کے قارئین میں بڑی تعداد خواتین کی رہی ہے۔ ان میں گھریلو خواتین اور کم تعلیم یافتہ خواتین کا طبقہ شامل ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان رسالوں کی زبان، رومان اور سطحی موضوعات ہیں۔ چند مشہور ڈائجسٹ جن میں "ماہنامہ حکایت"، "سب رنگ" بڑھتی چلی گئی اُن میں "اُردو ڈائجسٹ"، "سسپنس"، جاسوسی ڈائجسٹ وغیرہ شامل ہیں ان رسالوں میں کئی نامور

ادیبوں کی تحریریں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جیسے "سب رنگ" میں (۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۰ء) منٹو، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، غلام عباس وغیرہ کی کہانیاں چھپتی رہیں۔ اسی طرح "سسپنس" بھی کئی نامور ادیبوں کی تحریریں چھپتی رہی ہیں ۔ پاکستان میں شائع ہونے والے اردو ڈائجسٹوں کی اہمیت اور مقبولیت کی طرف اظہار اثر نے اپنے ایک مضمون میں کچھ یوں کہا ہے:

> "ہندوستان میں شائع ہونے والے زیادہ تر ڈائجسٹ پاکستانی ڈائجسٹوں کی کہانیاں شائع کرتے ہیں۔ اس طرح ان کو کہانی کے معاوضے کے ساتھ کتابت کے خرچ سے بھی نجات مل جاتی ہے۔" (۷)

مقبولِ عام ادب کی جہات کے حوالے سے جن اصناف اور اُن کے ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے قاری ان میں چھپی ہوئی تحریروں کے معیار، ان کی زبان و بیان اور ان کے موضوعات کو اپنے ذہن اور مزاج کے مطابق پاتے ہیں۔ مقبولِ عام ناول ہو، افسانہ ہو یا طنز و مزاح اس کے ادیب کا مقصد ایک بڑے عوامی حلقے کو اپنی گرفت میں لینا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نہ صرف موضوعات بلکہ قاری کو لطف پہنچانے کی بھی کوشش کرتے ہیں کیونکہ علی گڑھ سے ہی کہانی کے موضوعات، معاشرتی اصلاح، اخلاقی تربیت اور جدید و قدیم کی کشمکش پر مشتمل رہے۔ اس کے بعد رومانویوں نے ادب کو ایک نئے چلن پر گامزن کیا۔ اس دور کے رومانوی ادیبوں کے حال چال کا لمحہ، عذابِ ماضی اور مستقبل کی خوبصورتی اور رعنائی بھی نظر آتی ہے۔ یہی وہ رویہ اور رجحان تھا جس نے عوام کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ یہ عوامی طبقہ نئی بات اور نئے موضوعات کا متلاشی تھا۔ اس وقت صنعتی عمل کے آغاز نے بھی نئے امکانات پیدا کر دیے تھے۔ یہ نئے امکانات معاشرت و ثقافت کے نئے نئے مظاہر کو جنم دے رہے تھے۔

مقبولِ عام ادب کی روایت کے حوالے سے شاعری، داستان گوئی، ناول، افسانہ، طنز و مزاح وغیرہ جیسی اصناف کو اہمیت حاصل رہی۔ ان سب کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ کی جس صنف کے عوامی مقبولیت اختیار کی وہ ڈراما ہے۔ ڈرامے کو عوامی صنف بھی کہا جاتا ہے۔ خصوصاً سٹیج ڈراما جو اس لیے سٹیج کیا جاتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور لطف اندوز ہوں۔ سٹیج ڈراما ہمیشہ تفریح اور وقت گزاری کا ایک بہترین ذریعہ رہا ہے۔

ڈراما مصنف اور اداکاروں کی کاوشوں سے وجود میں آتا ہے۔ سٹیج ڈرامے کا باقاعدہ آغاز تو یونان سے ہوا، ہندوستان میں اس کا آغاز ناٹک کے طور پر ہوا۔ ہندو اپنی مذہبی رسومات اور شخصیات کو ناٹک کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اُردو سٹیج ڈرامے کی ابتداء کے بارے میں حتمی رائے دینا ذرا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اسلم قریشی کہتے ہیں:

> "اردو ادب کی تاریخ کے دھندلکوں میں اردو ڈرامے کے ابتدائی نقوش کا سُراغ نہیں ملتا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ برِصغیر پاک و ہند کے مختلف خطوں میں اس نے مختلف زبانوں میں ارتقائی مراحل طے کیے ہوں گے جس طرح کہ اردو زبان اس سرزمین میں مختلف مقامات اور ادوار میں ترویج و ترقی کی منازل سے گزری اور اُردو ادب کی دیگر اصناف نے

ہر جگہ الگ الگ زبانوں میں نمو پائی اور عہدِ طفلی سے گزر کر شباب کی بہاریں بسر کیں۔"(۸)

ہندوستانیوں نے اپنی دلچسپی اور تفریح کے لیے رام لیلا، رس دھاری، کرشن لیلا، یاترا اور اسی طرح کے دوسرے مذہبی، عشقیہ اور معاشرتی تمثیلوں کا سہارا لیا۔ احمد سہیل اردو ڈرامے کی ابتدا کے بارے میں کہتے ہیں کہ اٹھارویں صدی کی ابتداء میں جب فرخ سیر (۱۷۱۸ء۔ ۱۷۱۲ء) کا دور تھا اس دور میں نواز نامی ایک درباری نے کالی داس کے مقبول ڈرامے "شکنتلا" کا سنسکرت سے اُردو میں ترجمہ کیا لیکن تمام محققین اردو ڈرامے کی تاریخ کے حوالے سے نواب واجد علی شاہ کو پہلا ڈراما نگار مانتے ہیں اور ان کا ریس "رادھا کنہیا" اردو ڈرامے کا نقش اول ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو تھیٹر ڈرامے نے ترقی کی کئی منزلیں طے کیں۔ ناٹک کا کاروبار چند پارسیوں نے سنبھال لیا اور بڑی بڑی تھیٹریکل کمپنیاں قائم کیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں پارسی تھیٹر میں ایسے ڈراما نگار شامل ہو گئے جنھوں نے اس روایت کو خوبصورتی سے آگے بڑھایا اور ڈرامے کی صنف کو ترقی سے ہمکنار کیا۔ اس کو معاشرتی اور سنجیدہ عناصر سے روشناس کروایا۔ ان ڈراما نویسوں میں اہم نام طالب بنارسی، منشی رونق، حافظ عبداللہ، سید مہدی احسن لکھنوی بیتاب، آغا حشر، امتیاز علی تاج کے ہیں۔

مقبولِ عام ادب گو کہ اعلیٰ ادبی خصوصیات اور تکنیکوں پر پورا نہ اترتا ہو۔ لیکن اپنی خصوصیات یعنی سادہ موضوعات عام فہم زبان کے ذریعے مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ ایک کم پڑھا لکھا قاری بھی اپنی نفسیاتی اور جذباتی کیفیات کو تسکین پہنچانے کے لیے مقبولِ عام ادب کا مطالعہ کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طیبہ خاتون، ڈاکٹر، اردو میں ادبی نثر کی تاریخ ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء، مرکزی پرنٹرز چوڑی والان، دہلی ۱۹۸۹ء، ص ۱۶۷

۲۔ محمد احسن فاروقی، "اردو ناول کی تنقیدی تاریخ"، لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۱۶۱

۳۔ شہاب ظفر اعظمی، ڈاکٹر، "اردو ناول کے اسالیب"، تخلیق کار پبلشرز دہلی، ۲۰۰۶، ص ۱۰۰۔۱۰۱

۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۵۰

۵۔ ڈاکٹر شہاب ظفر علی اعظمی، اردو ناول کے اسالیب، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۵

۶۔

۷۔ اظہار اثر، "مقبول عام ادب: اُصول و ضوابط"، مشمولہ اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت اور اہمیت، مرتبہ ارتضیٰ کریم، دہلی یونیورسٹی دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۴

۸۔ اسلم قریشی، ڈاکٹر، برصغیر کا ڈراما" تاریخ افکار اور انتقاد"، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، بہ اشتراک مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، جون ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۱